وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا (۷/۷۲ع)

قومِ لُوط

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟
مرد بے کار و زن تہی آغوش!

حضرت لوط علیہ السّلام

۲۲۰۰ سنہ ق۔م

حضرت ابراہیمؑ کے تذکرۂ جمیلہ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ کُلدانیوں کے ظلمت کدہ میں آپ کے برادرزادہ (حضرت لوطؑ) آپ پر ایمان لائے۔ (فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ) (۲۹/۲۶) "ابراہیمؑ پر لوط ایمان لایا۔" اور پھر آپ کے ساتھ فلسطین کی طرف ہجرت بھی کی۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ٥ (۲۱/۷۱)

ہم نے اسے اور (اس کے بھتیجے) لوط کو (دشمنوں سے) نجات دلاکر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جسے قوموں کے لئے (بڑا ہی) بابرکت ملک بنایا ہے (یعنی سرزمینِ کنعان)۔

ظاہر ہے کہ اس وقت تک حضرت لوطؑ شرفِ نبوّت سے بہرہ یاب نہیں فرمائے گئے تھے۔ جب حضرت ابراہیمؑ اس ارضِ مبارک میں متمکّن ہو گئے اور مشیّتِ ایزدی نے چاہا کہ اس مشعلِ رشد و ہدایت کی کرنیں دُور دُور تک ضیا پاش ہوں تو حضرت لوطؑ کو سدوم کی طرف جانے کے لئے ارشاد ہوا۔ یمن سے بحرِ احمر (RED SEA) کے کنارے کنارے ایک قدیمی تجارتی قافلوں کی سڑک حجاز و مدین سے گزر کر عقبہ وغیرہ تک چلی گئی ہے۔ سدوم کی بستی اسی شاہراہ پر واقع تھی۔ (قرآنِ کریم نے اس شاہراہ کو اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (۱۵/۷۹)

کہا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا، قیاس یہ ہے کہ یہ علاقہ بحرمیت (DEAD SEA) کے قریب تھا۔ زلزلوں کی وجہ سے اس کا بہت سا حصہ سمندر کے نیچے آگیا۔ حضرت لوطؑ کو اسی علاقہ میں بسنے والی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ (وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۷/۱۳۳﴾) اور بلاشبہ لوط (ہمارے) پیغمبروں میں سے تھا)۔ انہوں نے آکر اصولی طور پر اسی پیغامِ خداوندی کی طرف دعوت دی جس کی طرف اس سے بیشتر حضرات انبیاء کرام دعوت دیتے چلے آرہے تھے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِیْنَ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۚ

(۲۶/۱۶۰ — ۱۶۳)

(اور دیکھو) قومِ لوط نے (بھی) رسولوں (کی تعلیمات) کو جھٹلایا۔ (یاد کرو) جب ان کے بھائی بند لوط نے ان سے کہا کہ کیا تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت نہیں کرتے؟ بلاشبہ میں تمہارے لئے خدا کا امانت دار پیغمبر ہوں۔ تو (تمہیں چاہیئے کہ) خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو اور (مرکزِ نظامِ خداوندی کی حیثیت سے) میری اطاعت کرو (کہ میری یا مرکز کی اطاعت، میری اطاعت نہیں بلکہ دراصل خدا کی اطاعت ہے)۔

دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت لوطؑ اس قوم میں پہلے رسول نہ تھے بلکہ یہ قوم آپ سے بیشتر اور رسولوں کی بھی تکذیب کر چکی تھی اسی لئے كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِیْنَ ۚۖ فرمایا۔ دوسرے یہ کہ حضرت لوطؑ کو اس قوم کا بھائی (اَخُوْهُمْ) کہا گیا ہے۔ اسی صورت میں حضرت نوحؑ، ہود اور صالح (عَلَیْهِمُ السَّلَامُ) کا ذکر بھی انہی الفاظ میں کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ چونکہ انہی قبائل میں تھے جن کی طرف وہ مبعوث کئے گئے تھے اس لئے قبیلہ کی نسبت سے ان کے بھائی تھے۔ لیکن حضرت لوطؑ تو باہر سے تشریف لے گئے تھے اس لئے قومِ سدوم سے کسی قبائلی نسبت کی بنا پر رشتۂ اخوت نہ تھا، بلکہ اُن میں رہنے سہنے کی وجہ سے ایسا کہا گیا ہے۔

اللہ کی طرف دعوت دی اور ساتھ ہی وہ عظیم الشان اعلان بھی فرمادیا جو داعیانِ الی الحق کا امتیازی وصف چلا آرہا ہے، یعنی

وَمَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲۶/۱۶۴)

اور (دیکھو) میں اپنی اس (دعوت و تبلیغ کی) خدمت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف پروردگارِ عالم ہی کے ذمّہ ہے۔

یوں تو حضرات انبیائے کرام جس قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے وہ قوم بالعموم کفر و شرک، فسق و فجور، معصیت کوشی اور بدکرداری، سرکشی و تمرّد اور سلب و نہب کی لعنتوں میں گرفتار ہوتی تھی اور ان حضرات کی بعثت کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ ان راہ گم کردہ لوگوں کو ان کے اعمال کے ہلاکت انگیز نتائج سے آگاہ کریں۔ لیکن قوم سدوم جس شرم انگیز فحاشی میں مبتلا تھی وہ دنیا جہاں سے نرالی تھی۔ یہ

شرمناک فحاشی

بدبخت، اپنی شہوانی خواہشات کی تسکین کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس فعلِ شنیع کی ابتدا بھی اسی قوم سے ہوئی۔ لفظ لواطت (تلوط) خود اس پر شاہد ہے کہ اس کی نسبت قومِ لوط سے ہے۔ انگریزی میں (SODOMY) سدوم (SODOM) کی نسبت سے ہے۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝

(۷/۸۱ — ۸۰)

اور لوط کا واقعہ یاد کرو، جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا، "کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرنا پسند کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش سے مردوں پر مائل ہوتے ہو۔ یقیناً تم ایک ایسی قوم ہو گئے ہو جو (اپنی نفس پرستیوں میں) بالکل حدود فراموش ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ (۲۶/۱۶۶ — ۱۶۵)

(اور دیکھو، لوط نے اپنی قوم سے کہا) کیا تم (اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کے لئے) دنیا

میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہارے پروردگار نے (اس مقصد کے لئے) جو تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں، انہیں چھوڑ دیتے ہو؟ (یہی نہیں) تم قوانینِ فطرت کے حدود سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔

سورۂ اعراف میں مُسْرِفُوْنَ اور سورۂ شعراء میں عٰدُوْنَ کی جامعیت پر غور فرمائیے! حدودِ فطرت سے تجاوز کی طرف کس بلیغ انداز میں اشارہ کیا گیا ہے۔ سورۂ نمل میں فرمایا۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ (۲۷/۵۵—۵۴)

اور لوطؑ کا واقعہ یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا، "کیا تم ایسی بے حیائی کا کام جانتے بوجھتے کرنا پسند کرتے ہو؛ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش سے مردوں پر مائل ہوتے ہو۔ یقیناً تم ایک ایسی قوم ہو گئے ہو جو جہالت کے کام کرتی ہے۔

وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ یعنی دیدہ و دانستہ، جانتے بوجھتے' اس حیا سوز فعلِ قبیح کے مرتکب ہوتے ہو۔ اس سے بڑی جہالت کچھ اور بھی ہو سکتی ہے؟ (اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ[1]) سورۂ عنکبوت میں ہے کہ وہ لوگ اس درجہ بے غیرت اور آبرو باختہ ہو چکے تھے کہ کھلی مجالس میں بے حیائی کی باتیں کیا کرتے تھے اور اس سے ذرا شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ حتّٰی کہ ان حیا سوز فحاشیوں کے خلاف اُن کے دل میں کوئی کھٹک تک بھی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان ایسی کھلی ہوئی معصیت کوشی کی زندگی پر اُتر آئے تو پھر شرم اور حیا کبھی باقی نہیں رہتی! آج بھی دنیا کی ان اقوام پر نگاہ ڈالئے جو

رہزنی بھی

جذبات پرستی اور فحش کاری کے سیلاب میں بہے جا رہی ہیں۔ ان میں غیرت اور حیا کہیں نام کو نہیں ہوتی۔ اس بے غیرتی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یوں تو انگلستان (بلکہ

---

[1] تُبْصِرُوْنَ اور تَجْهَلُوْنَ کے تقابل پر غور فرمائیے۔ یعنی وہ لوگ فہم و بصیرت رکھتے ہوئے بدترین جہالت میں مبتلا تھے۔ لہٰذا وہ علم جو سیرتِ انسانی کی صحیح تشکیل یعنی افکار و اعمال کی تطہیر نہیں کر سکتا، علم نہیں جہالت ہے، روشنی نہیں تاریکی ہے، آج سے چار ہزار سال پیشتر بھی اور آج بھی۔

یورپ کے دیگر ممالک میں بھی) لواطت ایک عرصہ سے چلی آ رہی تھی۔ لیکن سالِ گذشتہ ۱۹۶۷ء میں) اسے انگلستان میں قانوناً جائز قرار دے دیا گیا ہے! سچ کہا تھا قرآن نے کہ جب انسان پستی کی طرف گرتا ہے تو حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ ہم جنس سے جنسی اختلاط (لواطت) حیوانات کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی!

قومِ لوط، رہزنی بھی کرتی تھی۔

وَ لُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ ۫ مَا سَبَقَکُمۡ بِہَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَ تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ ۬ۙ وَ تَاۡتُوۡنَ فِیۡ نَادِیۡکُمُ الۡمُنۡکَرَ ؕ (۲۹/۲۸-۲۹)

اور لوط کا واقعہ یاد کر جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا "کیا تم ایسی بے حیائی کا کام پسند کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا؟ ا تم تو عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش سے) مردوں پر مائل ہوتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں علانیہ، برائیوں کے مرتکب ہوتے ہو؟ (تم پر حیف ہے)۔

تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اس طرح (عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کی طرف مائل ہونے سے) اس راستے کو منقطع کرتے ہو جسے فطرت نے افزائشِ نسلِ انسانی کے لئے وضع کیا ہے۔

تذکیرِ موعظت کا جواب

یہ تھی وہ قوم جس کی طرف حضرت لوطؑ مبعوث ہوئے۔ جب آپ نے انہیں ان کی بدکرداریوں سے منع کیا تو ان کی طرف سے جو جواب ملا وہ انکی فطرتِ خبیثہ کا صحیح آئینہ دار ہے۔

وَ مَا کَانَ جَوَابَ قَوۡمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡہُمۡ مِّنۡ قَرۡیَتِکُمۡ ۚ اِنَّہُمۡ اُنَاسٌ یَّتَطَہَّرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ (۷/۸۲؛ ۲۷/۵۶)۔

لوط کی قوم کے پاس اگر اس کا کچھ جواب تھا تو یہ کہ آپس میں کہنے لگے " ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں"۔

فطرتِ ابلیسی کی کیسی صحیح تصویر ہے۔ آج بھی کسی بدکردار کو اس کی حیاسوز حرکات سے منع کرنے کی کوشش

کہیئے تو یہی جواب ملے گا۔ جب آپ نے زیادہ زور دیا تو یہ لوگ اس حربے پر اُتر آئے جو نشہ قوت کی بدمستی کا خاصہ ہوتا ہے۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ٥ (۲۶/۱۶۷)

تو وہ کہنے لگے" اے لوط! اگر تو باز نہ آیا' تو یاد رکھ تو لامحالہ (یہاں سے) نکال دیا جائے گا۔

انہوں نے یہ دھمکی دی اور آپ نے نہایت سکوت و سکون سے یہ جواب دے دیا کہ ان دھمکیوں سے تمہارے اعمال کے خلاف میرے دل کی نفرت کم تھوڑی ہو جائے گی؟

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ٥ (۲۶/۱۶۸)

لوط نے کہا (اس کے باوجود) میں تمہاری بدکرداریوں کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھنے والوں میں سے ہوں۔

یہ سلسلہ جاری رہا۔ اِدھر سے تذکیر و تنذیر اور اُدھر سے ضد اور انکار برابر بڑھتا گیا۔ جب حضرت لوطؑ ان سے کہتے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو اور اس نے جو تمہیں مہلت دے رکھی ہے اس سے فائدہ اُٹھاؤ، تو وہ اس کا بھی مذاق اڑاتے اور کہتے کہ جاؤ! وہ عذاب لے آؤ جس کی یوں دھمکی دے رہے ہو!

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ (۲۹/۲۹)

لوط کی قوم کے پاس اگر اس کا کچھ جواب تھا تو یہی کہ وہ کہنے لگے، اگر ایسے ہی سچے ہو تو وہ اللہ کا عذاب ہم پر لے آؤنا! (جس کی روز دھمکیاں دیا کرتے ہو)۔

دوسرے مقام پر ہے۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ٥ (۵۴/۳۶)

اور (دیکھو) لوط نے انہیں ہماری گرفت سے آگاہ کر دیا تھا مگر انہوں نے (الٹا) اس سے جھگڑا مول لیا۔

جب حضرت لوطؑ ان راہ گم کردہ بدبختوں کے انکار و جحود اور سرکشی و تمرّد کی ان حدود فراموشیوں کو دیکھتے تو اللہ سے دعائیں مانگتے کہ وہ انہیں اور ان کے متبعین کو اس انسانیت فروش قوم کے اعمالِ بد

کے تباہ کن نتائج سے محفوظ رکھے۔

رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَھْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ (۲۶/۱۶۹)

(لوط نے ہماری بارگاہ میں عرض کیا) اے پروردگار! مجھے اور میرے متبعین کو اُن (بداعمالیوں کے نتائج) سے محفوظ رکھ جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

اور ان پر غلبہ و نصرت عطا فرمائے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ع (۲۹/۳۰)

(اور دیکھو، لوط نے ہماری بارگاہ میں عرض کیا کہ) اے میرے پروردگار! مجھے (یعنی میرے مشن کو) فساد انگیز لوگوں پر (غلبہ و) نصرت عطا فرما!

یہ مہلت کا عرصہ یونہی گذرتا گیا حتیٰ کہ وہ وقت آپہنچا جب قانونِ مکافات کے مطابق ان کے اعمال کی کھیتی پک گئی اور ظہورِ نتائج کا زمانہ آگیا۔ خدا کے فرستادہ اس قوم کی طرف آئے تاکہ آخری حجت کا بھی اتمام ہو جائے۔ یہ راستہ میں پہلے حضرت ابراہیمؑ کے ہاں گئے اور انہیں حضرت اسحٰقؑ کی خوشخبری دی (تفصیل سابقہ عنوان میں گذر چکی ہے) جب حضرت ابراہیمؑ کو معلوم ہوا کہ قومِ لوطؑ پر تباہی اور بربادی کا عذاب آنے والا ہے تو ان کی رقیق القلبی نے بہت چاہا کہ کسی طرح انہیں مہلت کا مزید موقع مل جائے جس سے وہ شاید اپنی حرکاتِ قبیحہ سے باز آجائیں۔ لیکن مشیتِ ایزدی کے علم میں تھا کہ وہ قوم رجعت و انابت کی حد سے کہیں آگے بڑھ چکی ہے۔ ان کی باز آفرینی کی کوئی صورت باقی نہیں۔ ان کے اعمال کے ہلاکت آمیز نتائج مرتب ہو چکے ہیں۔ سورۂ ہودؑ میں ہے۔

ظہورِ نتائج کا وقت

فَلَمَّا ذَھَبَ عَنْ اِبْرٰھِیْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا[1] فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ ...... وَ اِنَّھُمْ اٰتِیْھِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ (۱۱/۷۴-۷۶)

پھر جب ابراہیم کے دل سے اندیشہ دُور ہو گیا اور اسے خوشخبری ملی، تو قومِ لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگا (یعنی ہمارے فرستادوں سے باربار سوال و جواب کرنے لگا کہ آنے والی

---

[1] یُجَادِلُنَا کی مزید تشریح کے لیے چند صفحات کا انتظار کیجئے۔

بلا ٹل جائے) حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑا ہی بُردبار، بڑا ہی نرم دل اور (ہر حال میں) اللہ کی طرف رجوع ہو کر رہنے والا تھا! (ہمارے فرستادوں نے کہا) کہ اے ابراہیم! اب اس بات کا خیال چھوڑ دے۔ تیرے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی) بات جو تھی، وہ آپہنچی اور ان لوگوں پر عذاب آ رہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔

خُدا کے فرستادہ

اس کے بعد وہ حضرت لوطؑ کے ہاں پہنچے۔ قرآنِ کریم نے اس واقعہ کا ذکر کئی ایک مقام پر کیا ہے اس لئے کہ یہ اس قوم کی بداعمالیوں کا نقطہ آخریں تھا۔ خدا کے یہ برگزیدہ بندے، حضرت لوطؑ جیسے پاکباز انسان کے ہاں مہمان آتے ہیں اور یہ بدبخت ان پر پل پڑتے ہیں۔

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا .... وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ۝ (۷۷—۱۱/۷۹)

اور پھر جب ایسا ہوا کہ ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے، تو وہ ان کے آنے سے خوش نہیں ہوا۔ ان کی موجودگی نے اسے پریشان کر دیا۔ وہ بولا کہ آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے اور اس کی قوم کے لوگ (اجنبیوں کے آنے کی خبر سُنکر) دوڑتے ہوئے آئے۔ وہ پہلے سے بُرے کاموں کے عادی ہو رہے تھے۔ لوط نے ان سے کہا "لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (یعنی ان کی بیویاں جنہیں وہ اپنی بیٹیوں کی جگہ سمجھتا تھا اور جنہیں لوگوں نے چھوڑ رکھا تھا)۔ یہ تمہارے لئے جائز اور پاک ہیں۔ پس ان کی طرف ملتفت ہو، دوسری بات کا قصد نہ کرو۔ اور) اللہ سے ڈرو۔ میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟ ان لوگوں نے کہا "تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تیری ان بیٹیوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ اور تو اچھی طرح جانتا ہے ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

اس واقعہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (۵۷—۱۵/۶۰؛ ۶۷—۱۵/۷۲؛ ۳۲—۲۹/۳۳)۔

حضرت لوطؑ کا اضطراب

غرضیکہ اُدھر سرکشی و تمرّد اور قوت و استیلاء کے اندھے نشے کا ایک بپھرا ہوا طوفان تھا جو چاروں طرف سے دیوار و در کی تمیز بھلائے احاطہ کئے تھا اور اُدھر خدا کا ایک تنہا بندہ ان نوواردمسافروں کی حفاظت کے لئے سینہ

سر پر کھڑا تھا۔ پریشانی تھی تو صرف ان مہمانوں کے لئے۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ۝ (۱۱/۸۰)

لوط نے کہا "کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا۔

جب مہمانوں نے حضرت لوطؑ کی اس گھبراہٹ کو دیکھا تو انہیں تسلی دی کہ مت گھبراؤ۔ یہ ہم تک دست درازی نہیں کر سکتے۔

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ...... اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ۝ (۱۱/۸۱)

تب مہمانوں نے کہا "اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ (گھبرانے کی کوئی بات نہیں) یہ لوگ تجھ پر قابو نہ پاسکیں گے (کہ تجھے رسوا کرکے ہم تک دست اندازی کرسکیں) تو یوں کر کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر نکل چل اور اس طرح یہاں سے دامن جھاڑ کر نکل جا کہ پھر تم میں سے کوئی بھی اس سرزمین کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ یہ بھی سمجھ لے کہ تیری بیوی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ وہ پیچھے رہ جائے گی اور جو کچھ ان لوگوں پر گزرنا ہے وہ اس پر بھی گزرے گا۔ ان لوگوں کے لئے عذاب کا وقت صبح کا ہے اور صبح کے آنے میں کچھ دیر نہیں۔"

نیز دیکھئے۔ (۶۱ — ۶۶/۱۵ ؛ ۳۴/۲۹)۔

عذاب کی نوعیت

قومِ سدوم کا علاقہ آتش فشاں پہاڑوں اور گندھک کی کانوں سے پٹا پڑا تھا۔ آتش فشاں پہاڑوں کا انشقاق بڑا ہلاکت انگیز عذاب ہوتا ہے۔ کبھی تو آتش فشاں سیال مادہ (لاوا) کی شکل میں ایک بہتا ہوا جہنم بن کر گردوپیش کے علاقوں کو دہکتے ہوئے انگاروں کی بھٹی بنا دیتا ہے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہاڑ کے دہانہ سے راکھ اور پتھروں کا مینہہ برستا ہے جس کی بوچھاڑ دُور دُور تک جاتی ہے۔ پمپیائی کی تباہی اسی قسم کی "بارش" سے ہوئی تھی اور کہا جاتا ہے کہ ان پتھروں کی زد سینکڑوں میل تک تھی۔ قومِ لوطؑ کی تباہی کے وقت بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اسی قسم کی سنگ باری ہوئی۔ گندھک کی کانوں میں آگ بھڑک اٹھی اور پھر ایسے زلزلے

آئے کہ زمین نیچے دھنس گئی اور جھیل (DEAD SEA) کا پانی اوپر آگیا۔ یہ علاقہ آج بھی بالکل کھنگر ہے اور بحرِ میت کے پانی میں اس قدر تیزابی مادوں کی آمیزش ہے کہ وہ خود ایک آتشِ سیّال ہے۔ قرآن کریم نے اسی حقیقت کو مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ اعراف میں فقط اتنا بیان فرمایا کہ

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہہ برسادیا تھا۔ سو دیکھو، مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ یہ مینہہ جلے ہوئے پتھروں (کھینگروں) کا تھا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ۬ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آپہنچا، تو (اے پیغمبر!) ہم نے اس بستی کی تمام بلندیاں پستی میں بدل دیں اور اس میں آگ میں پکے ہوئے پتھر لگاتار برسائے کہ تیرے پروردگار کے حضور (اس غرض سے) نشان کئے ہوئے تھے۔ یہ (بستی) ان ظالموں سے (یعنی اشرارِ مکہ سے) کچھ دور نہیں ہے (یہ اپنی سیر و سیاحت میں وہاں سے گذرتے رہتے ہیں اور اگر چاہیں، تو اس سے عبرت پکڑ سکتے ہیں)۔

یہاں پتھروں کی بارش کی تصریح کے ساتھ زلزلہ کا عبرت انگیز نتیجہ بھی بیان فرمادیا جس سے بڑی بڑی بلند عمارات پستیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ بلکہ وہ اتنا نیچے دھنس گئیں کہ پانی سطحِ ارض کے اوپر چڑھ آیا۔ دوسری جگہ انہی کو مُؤْتَفِكٰت (وہ جن کی بستیاں اُلٹ دی گئی تھیں) سے تعبیر کیا گیا ہے (دیکھئے ۹/۷۰ (۹/۶۹)۔ سورۃ حجر میں ان دونوں چیزوں کے ساتھ "صَيْحَةً" (ایک ہولناک آواز) کا اضافہ فرمادیا گیا، جس سے اس ماجرے کی مزید وضاحت ہوجاتی ہے۔ (دیکھئے ۳، ۷۹–۱۵/۷۹)۔ آیت ($\frac{15}{78}$) میں قومِ سدوم کے ساتھ اصحٰب الایکہ کا بھی ذکر آگیا ہے، کیونکہ ان کا علاقہ ان سے ملحق تھا۔ (اس کی تشریح اپنے مقام پر آئے گی)۔ یہاں یہ چیز مزید غور طلب ہے کہ قومِ سدوم کے اس تباہ شدہ علاقہ کے متعلق فرمایا کہ یہ ایک ایسی شاہراہ (اِمَامٌ مُّبِيْنٌ) پر واقع ہے جو نزولِ قرآن تک قائم (سبیلِ مقیم) تھی۔ یہ وہی تجارتی سڑک ہے جس کا ذکر شروع میں کیا جاچکا ہے۔ قریش کے قافلے

اس سڑک پر سے گزرتے تو ان تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ اسی لئے (۱۱/۸۳) میں یہ فرمایا گیا کہ وَ مَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ کہ یہ علاقہ ان ظالمین سے کہیں دُور نہیں۔ اس پر تو یہ اکثر گزرتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ تکذیب وانکار کا نتیجہ کیا ہوا کرتا ہے؟

سورۂ شعراء میں اس عذاب کے متعلق فرمایا کہ حضرت لوطؑ اور ان کے متبعین کو تو بچالیا گیا اور دوسروں کو تباہ کردیا۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۚ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ (۲۶/۱۷۲—۱۷۳) نیز (۳۷/۱۳۶)۔

پھر (خاندان لوط اور اس کے متبعین کو بچاکر) ہم نے اوروں کو بُری طرح ہلاک کردیا اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) خوب بارش کرڈالی۔ تو (دیکھو، ان بداعمالیوں کے نتائج سے) ڈرائے ہوؤں کی بارش کیسی بُری رہی!

نیز دیکھئے۔ (۲۷/۵۰)؛ (۳۴—۵۱/۳۳؛ ۵۴/۳۴؛ ۵۴/۳۸)۔

اہل سے مراد! گذشتہ آیات میں ہم نے دیکھا ہے کہ قومِ لوطؑ کی تباہی کے ضمن میں یہ صراحت کردی گئی ہے کہ حضرت لوطؑ اور ان کے اہل اور آل کو بچالیا گیا۔ البتہ ان کی بیوی اُن میں شامل نہیں تھی۔ اہل اور آل سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر سورۂ ذٰریٰت میں ان الفاظ میں فرمادی۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ (۳۵—۵۱/۳۶)

چنانچہ ہم نے اس بستی میں سے جتنے ایمان والے تھے ان کو نکال لیا۔ مگر ہم نے اس بستی میں مطیع و فرمانبردار بندوں کے صرف ایک گھر کے علاوہ (کوئی دوسرا مکان) نہیں پایا۔

یعنی حضرت لوطؑ کے اہل سے مراد "گھر والے" اور آل سے مفہوم "ان کی اولاد" نہ تھی بلکہ اس سے مراد جماعت مومنین تھی۔ معیارِ خداوندی کے مطابق "اپنوں اور بیگانوں" کی تمیز و تفریق کے متعلق سابقہ عنوانات میں کئی

ایک جگہ ذکر آچکا ہے، بالخصوص تذکرہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ میں! اسی سلسلہ میں اس کڑی کو بھی شامل کر لیجئے۔ قرآنِ کریم کی رُو سے اپنے "اہل اور آل" وہ ہیں جو ایمان کے رشتہ سے منسلک ہیں۔ جو اس رشتہ سے مربوط نہیں وہ بیٹا ہو یا باپ، بیوی ہو یا بھائی "اپنوں" میں سے نہیں ہو سکتا۔ ان تمام رشتوں میں بیوی اور خاوند کا رشتہ 'چولی اور دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اسی لئے میاں اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس بتایا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ (۲/۱۸۷)

وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔

لیکن ایمان کا رشتہ ایسا قوی ہے کہ وہ چولی کو دامن سے اور لباس کو جسم سے الگ کر دیتا ہے۔ اس کے لئے قرآنِ کریم نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ سورۃ تحریم میں ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ........ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۙ (۶۶/۱۰-۱۱)

(اور دیکھو) اللہ نے نافرمانی کرنے والوں کے لئے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان کی ہے۔ یہ دونوں کی دونوں ہمارے بندوں میں سے دو (بہت ہی) نیک بندوں (پیغمبروں) کے نکاح میں تھیں۔ مگر انہوں نے ان دونوں (نیک بندوں) کی حق تلفی کی۔ پس خدا کے مقابلہ میں وہ دونوں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم بھی اور داخل ہونے والوں (کی طرح ان ہی) کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

اور (اس کے برعکس) اللہ نے ایمان لانے والوں کے لئے (بھی) فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے (جو ایک نہایت ہی سرکش اور نافرمان بندہ کے نکاح میں تھی، مگر مومن تھی)۔ جب اس نے (اپنے پروردگار کے حضور) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں اندر ایک مکان بنا دے اور فرعون اور اُس کے (بُرے) کردار سے مجھے نجات دے۔ (نہ صرف فرعون سے، بلکہ) مجھے (تمام) ظالم (اور سرکش) قوم سے ہی نجات عطا فرما!

داستانِ عبرت یہ ہے قومِ لوطؑ کا واقعہ اور ان کا ایسا انجام جس میں ہر صاحبِ عقل و بصیرت کے لئے عبرت و موعظت کی داستانیں پوشیدہ ہیں۔ ان تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات اپنی لٹی ہوئی عظمتوں اور چھنی ہوئی ثروتوں کے زندہ مرثیے ہیں لیکن صرف اُن کے لئے جو حیاتِ آخرت (یعنی قانونِ مکافاتِ عمل) پر ایمان رکھیں، ورنہ مٹی کے ڈھیر ہیں یا زیادہ سے زیادہ علمائے آثار و حضریات کی دلچسپیوں کا مرکز۔ قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو سورۂ فرقان میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝ (۲۵/۴۰)

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ (یعنی مخالفین مکہ) اس بستی پر جس پر بُری طرح پتھر برسائے گئے تھے (یعنی قومِ لوط کی آبادی پر بارہا) گذر چکے ہیں۔ کیا یہ اس بستی کو (بارہا) دیکھ نہیں چکے ہیں؟ (یقیناً دیکھ چکے ہیں، مگر ان کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا)۔ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ مرکر دوبارہ جی اُٹھنے (اور اپنے اعمالِ بد کا نتیجہ بھگتنے) کی توقع ہی نہیں رکھتے۔

چونکہ ان لوگوں کا قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان نہیں، اس لئے ان اُممِ گذشتہ کے یہ نشانات ان کے لئے عبرت کا موجب نہیں بنتے۔

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ (۲۵/۴۱ — ۴۲)

اور جب کبھی وہ تمہیں (اے پیغمبرِ اسلام!) دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق ہی بنا لیتے ہیں (اور انجام سے بالکل بے پروا ہو کر ایسے ایسے جملے چست کرتے ہیں کہ) "کیا یہی ہے وہ جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اگر ہم مضبوطی سے قائم نہ رہے ہوتے تو اس نے ہمیں اپنے معبودوں سے کھو ہی دیا ہوتا" (وغیرہ وغیرہ)۔

اس کے بعد فرمایا:۔

وَ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۲۵/۴۲)

اور (اے پیغمبرِ اسلام! تم گھبراؤ نہیں) انہیں تھوڑے ہی عرصہ میں معلوم ہو جائے گا جب وہ (خدا کا) عذاب (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں گے کہ (درحقیقت، صحیح راستہ سے کھویا ہوا کون تھا؟ (وہ یا تم)۔

دیکھتے بوجھتے آنکھوں پر پردے اس لئے پڑ جاتے ہیں کہ انسان اپنی خواہشات کا محکوم و پرستار بن جاتا ہے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۙ

(۲۵/۴۳)

(اور اے پیغمبرِ اسلام!) تم نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جنہوں نے اپنے جذبات ہی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟ کیا تم ان لوگوں پر نگران بن سکتے ہو؟ (ہرگز نہیں)۔

اور یہاں پہنچ کر اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ فہم و بصیرت کی تمام قوتیں اور سمجھنے بوجھنے کی تمام صلاحیتیں رکھنے کے باوجود اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے اور یوں شرفِ انسانیت کھو کر حیوان بلکہ ان سے بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۧ (۲۵/۴۴)

(اے پیغمبر!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان میں کے اکثر افراد کچھ سنتے اور سمجھتے بھی ہیں (بالکل نہیں) وہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ (وہ کم از کم اپنی جبلت پر تو چلتے ہیں)۔

سورۂ شعراء میں قومِ لوطؑ کی تباہی اور ہلاکت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۲۶/۱۷۴)

بلاشبہ اس میں ایک (زبردست) نشانی تھی۔ مگر (انہی کے لئے جو کچھ بصیرت رکھتے ہوں) ان میں تو اکثر ایسے ہی ہیں جو ایمان والے (صاحبِ بصیرت) نہیں۔

وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ نے پھر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ یہ قصص و وقائع ان لوگوں کے لئے آیۂ عبرت نہیں بنتے کہ یہ لوگ اللہ کے قوانین پر ایمان نہیں رکھتے اور عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے۔

وَ لَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (۲۹/۳۵)

اور (دیکھو) ہم نے اس (تباہ شدہ) بستی میں سے (کچھ نہ کچھ) واضح نشانات چھوڑ دیئے (مگر ہر ایک کے لئے نہیں) صرف ان لوگوں کے لئے جو کچھ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

اور اللہ کی ان نشانیوں سے آنکھیں بند کئے گذر جاتے ہیں۔

وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَ بِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۳۸-۱۳۷/۳۷)

اور (اے منکرینِ دعوتِ ایمانی!) حقیقت یہ ہے کہ تم اُن (تباہ شدہ) بستیوں پر صبح (دن) کے وقت اور رات کے وقت (ہمیشہ ہی) گذرتے ہو (اور ان کی تباہی کے نمونے تمہاری آنکھوں کے سامنے آتے ہی رہتے ہیں) کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟

اور قانونِ مکافات کی محکم گرفت سے نہیں ڈرتے۔

وَ تَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ (۵۱/۳۷)

اور (دیکھو) ہم نے ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اس بستی (یعنی قوم لوط کی آبادی) میں نشانیاں چھوڑ دی ہیں۔

یعنی صحیح علم و بصیرت اور عقل و فکر کا یہ تقاضا ہے کہ ان واقعات سے استقرائی طور پر اس نتیجہ پر پہنچا جائے کہ ان اقوامِ گذشتہ نے یہ کچھ کیا تو ان کا انجام یہ ہوا۔ اگر ہم بھی وہی کچھ کریں گے تو ہمارا بھی انجام ایسا ہی ہوگا اس لئے کہ جس طرح فطرت کے اٹل قوانین دیگر اشیائے فطرت میں کارفرما ہیں، اسی طرح انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بھی قوانینِ خداوندی جاری و ساری ہیں۔ اگر پانی آج بھی اسی طرح نشیب کی طرف بہتا ہے جس طرح قومِ لوط و عاد و ثمود کے زمانہ میں بہتا تھا تو آج غلط روش کے نتائج بھی وہی ہوں گے جو اس زمانہ میں ہوتے تھے۔ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (۲۳/۴۸) قوانینِ الٰہیہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ یہ ایک عام حقیقت ہے جس کے سمجھنے کے لئے کسی افلاطون کے دماغ اور ارسطو کے ذہن کی ضرورت نہیں۔ قانونِ فطرت کا ایک کھلا ہوا اور نہایت واضح گوشہ ہے جو ہر سلیم الطبع انسان کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اسی لئے سورۂ قمر میں اممِ گذشتہ کے احوال و ظروف اور ان کے اعمال کے نتائج و عواقب بیان کرتے ہوئے ہر کڑی کے بعد فرمایا کہ

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (۵۴/۴۰)

اور حقیقت یہ ہے کہ نصیحت حاصل کرنے کے لئے ہم نے قرآن کو (بہت ہی) آسان کردیا ہے۔
تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ (جو اس سے نصیحت حاصل کرلے)۔

یہ ہے تذکرۂ جلیلہ حضرت لوطؑ کا جنہیں اللہ نے حکم و علم عطا فرمایا۔

وَ لُوطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ۙ (۲۱/۷۴)

اور (اسی طرح) لوط کو بھی ہم نے (احکامِ حق دینے کا) منصب اور (نبوت کا) علم عطا فرمایا۔ ہم نے اس بستی سے اسے نجات دیدی جس کے باشندے بڑے ہی گندے کام کیا کرتے تھے اور کچھ شک نہیں، بڑے ہی بدراہ، حد سے گذرے ہوئے لوگ تھے۔

اور ان کا شمار اپنے منتخب بندوں میں کیا۔ (۲۷/۵۹)

تورات کا بیان

لیکن اس کے برعکس ذرا تورات کو اٹھا کر دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ اللہ کے ان برگزیدہ رسولوں کی سیرت کو کس انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب پیدائش باب ۱۹، آیت ۲۳ میں حضرت لوطؑ کو نیکوکار کہا گیا ہے۔ لیکن چار ہی قدم آگے چل کر یہ قصہ بھی مذکور ہے۔

اور لوط ضغر سے اپنی دو بیٹیوں سمیت نکل کر پہاڑ پر جا رہا۔ کیونکہ ضغر میں رہنے سے اسے دہشت ہوئی اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگیں۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو تمام جہان کے دستور کے موافق ہمارے پاس اندر آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہمبستر ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہمبستر ہوئی۔ پر اس نے اس کے لیٹتے اور اٹھتے وقت اسے نہ پہچانا۔ اور دوسرے روز ایسا ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہمبستر ہوئی۔ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کے اس سے ہمبستر ہو کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو اس رات کو بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی اٹھ کے اس سے ہمبستر ہوئی اور اس نے اس کے لیٹتے اور اٹھتے وقت اسے نہ پہچانا۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ

ہوئیں اور بڑی ایک بیٹا جنی اس کا نام موآب رکھا اور وہی موآبیوں کا جواب تک ہیں، باپ ہوا۔
اور چھوٹی بھی ایک بیٹا جنی اور اس کا نام بن عمی رکھا۔ وہ بنی عمون کا جواب تک ہیں باپ ہوا۔
(پیدائش ۳۰۔۳۸/۱۹)

ہم سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی خرافات کا نقل کرنا بھی قارئین کے ذوقِ سلیم کے منافی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ؎

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

اس قسم کے تقابل کے بغیر یہ حقیقت اجاگر ہو نہیں سکتی کہ سابقہ "کتبِ آسمانی" کی موجودگی میں خدا کی طرف سے ایک "نئی کتاب" (قرآنِ مجید) کی کیا ضرورت تھی؟ سابقہ "کتبِ آسمانی" کے ان بیانات سے محرّف اور خالص پیغامِ خداوندی کا فرق نمایاں طور پر سامنے آجاتا ہے۔

بیٹیوں سے مراد قرآنِ کریم میں قومِ لوطؑ کی عبرت انگیز داستان اتنی ہی مذکور ہے۔ لیکن آگے بڑھنے سے بیشتر دو ایک مقامات پر غور کرنا ضروری ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جب بستی کے لوگوں نے ضیوفِ حضرت لوطؑ کو آن گھیرا ہے تو حضرت لوطؑ نے ان سے کہا کہ

يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ
فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ (۱۱/۷۸)

لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لئے جائز اور پاک ہیں۔ پس ان کی طرف ملتفت ہو۔ (دوسری بات کا قصد کرو اور) اللہ سے ڈرو۔ میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟

دیگر مقامات میں بھی یہی الفاظ آتے ہیں۔ (۱۵/۷۱؛ ۱۱/۷۹)۔

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت لوطؑ نے انہیں اپنی بیٹیوں کی طرف کیوں متوجہ کیا؟ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنی بیویوں کو چھوڑ رکھا تھا۔

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ (۲۶/۱۶۶ نیز ۷/۸۱؛ ۲۷/۵۵)

(تم پر حیف ہے کہ تم یہ بدعملی کی راہ اختیار کرتے ہو) اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لئے تمہاری

بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہو۔
اور خواہشاتِ نفس کی تسکین کے لئے مَردوں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت لوطؑ انہیں اس خلافِ فطرت خبیثانہ فعل سے روکتے تھے اور فطرت کی صحیح راہوں کی طرف اُن کی توجہ ملتفت کراتے تھے۔ اس خاص مقام پر بھی آپ نے اپنی اس دعوت کو دہرایا اور اُن سے کہا کہ اس حماقت سے کیا حاصل! تمہارے لئے تمہاری بیویاں (بستی کی عورتیں) پاک وصاف موجود ہیں۔ اُن کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے؟

بستی کی عورتوں کو آپ نے بیٹیاں کہا۔ ایک مردِ بزرگ وپاک باز کے نزدیک بستی کی عورتیں بمنزلہ بیٹیوں کے ہوتی ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ باوجودیکہ حضرت لوطؑ اس قوم میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتے تھے، قرآنِ کریم نے انہیں قوم لوطؑ کا بھائی [اَخُوْھُمْ = اُن کا بھائی ۲۶/۱۶۱) کہا ہے اور اس برباد ہونے والی قوم کو [اِخْوَانُ لُوْطٍ ۵۰/۱۳) کہہ کر پکارا ہے۔ اسی نسبت سے حضرت لوطؑ نے بستی کی عورتوں کو جنہیں ان بدبختوں نے چھوڑ رکھا تھا، اپنی بیٹیاں کہہ کر پکارا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن کے نزدیک (اپنی بیوی کو چھوڑ کر) دنیا کی تمام عورتیں اپنی بیٹیوں، بہنوں اور ماؤں کے برابر ہوتی ہیں۔

یہ مہمان کون تھے؟

دوسرا غور طلب مقام یہ ہے کہ حضرت لوطؑ کے مہمان (بلکہ یوں کہیئے کہ ضیوفِ ابراہیمؑ) کون تھے؟ قرآنِ کریم نے انہیں اللہ کے فرستادہ (مرسلین) کہہ کر پکارا ہے اور اس کی کہیں تصریح نہیں کہ وہ فرشتے تھے۔ لیکن جس انداز سے قرآنِ کریم نے مختلف مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ مثلاً سورۂ ہود میں کہا کہ

وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى (۱۱/۶۹)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے (قاصد) ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے۔

یہی کچھ سورۂ عنکبوت (۲۹/۳۱) میں آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ خدا کے فرستادہ تھے جو حضرت

ابراہیمؑ کے پاس بیٹے کی پیدائش کی بشارت لے کر آئے تھے۔ سورۃ ہود میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو ہم نے بشارت دی۔

وَ امْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ (۱۱/۷۱)

اور اس کی بیوی (سارہ) بھی (خیمہ میں) کھڑی (سُن رہی) تھی۔ وہ ہنس پڑی (یعنی اندیشہ کے دُور ہو جانے سے خوش ہو گئی) پس ہم نے اسے (اپنے فرستادوں کے ذریعہ) اسحاق (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دی اور اس کی کہ اسحاق کے بعد یعقوب کا ظہور ہوگا۔

اور دوسرے مقامات پر ہے کہ ان فرستادگانِ بارگاہِ ایزدی نے کہا کہ ہم تمہیں بشارت دیتے ہیں۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ (۵۱/۲۸)

انہوں نے کہا" ڈرومت۔ ہم تو تمہیں ایک علم والے فرزند کی پیدائش کی خبر سُناتے ہیں"۔

ان مقامات میں تطبیق مشکل نہیں۔ بشارت ان فرستادگان کی زبان سے دی گئی تھی اس لئے اسے ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ لیکن چونکہ یہ بشارت ان کی اپنی طرف سے نہیں تھی بلکہ یہ صرف اس کے پہنچانے والے تھے اس لئے (۱۱/۷۱) میں اس بشارت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کر لیا۔

اسی طرح قومِ لوطؑ پر عذابِ خداوندی کے متعلق بھی دونوں نسبتیں پائی جاتی ہیں۔ سورۃ حجر میں ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا۔

قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○ (۱۵/۶۰-۵۸)

انہوں نے کہا" ہم ایک مجرم گروہ کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ ہلاک ہونے والا ہے) مگر (ہاں) ایک خاندان وہاں لوط کا ہے اس کے تمام افراد کو ہم بچا لیں گے۔ البتہ اس کی بیوی نہیں بچے گی۔ اس کے لئے ہمارا اندازہ ہو چکا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ دے گی"۔

پہلی آیت میں ہے کہ" ہم قومِ لوطؑ کی طرف بھیجے گئے ہیں"۔ اس سے آگے ہے کہ" ہم آلِ لوطؑ کو نجات دیں گے"۔ اس سے اگلی آیت میں ہے کہ یہ" ہمارا اندازہ ہے کہ حضرت لوطؑ کی بیوی تباہ ہونے

والوں میں سے ہو گی"۔ اسی طرح دیگر مقامات میں ہے (دیکھئے ۲۳-۵۱/۳۲؛ ۳۱-۲۹/۳۲؛ ۳۳-۲۹/۳۴)۔
ان تمام مقامات میں قومِ لوطؑ پر عذاب نازل کرنے اور متبعینِ حضرت لوطؑ کو نجات دینے کی نسبت ان فرستادگان کی طرف کی گئی۔ لیکن دوسرے مقامات پر اس نسبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بیان فرمایا ہے۔
مثلاً سورۂ اعراف میں فرمایا۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ۠ (۷/۸۴)

ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہہ برسا دیا تھا۔ سو دیکھو، مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟

نیز (۱۱/۸۲؛ ۵۴/۳۴؛ ۷/۸۴)۔

ان مقامات میں بھی کوئی الجھاؤ نہیں۔ قومِ لوطؑ پر عذاب اور جماعتِ مومنین کی اس سے رستگاری، دونوں اللہ کے قانونِ مکافات کے تابع تھے۔ لیکن یہ فرستادگان چونکہ اس مقصد کے لئے مامور تھے کہ ان کے ذریعے اس سرکش قوم پر اتمامِ حجت ہو اور متبعینِ حضرت لوطؑ اس عذاب سے محفوظ رکھے جائیں، اس لئے انہوں نے ان امور کو اپنی طرف منسوب کیا جیسے جب کوئی مامور من اللہ (رسول) اپنی قوم سے کہتا ہے کہ "میری بات سنو"، تو اس سے مقصود پیغامِ خداوندی ہوتا ہے یا وہ کہتا ہے کہ "میری اطاعت کرو"، تو اس سے مفہوم اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس ضمن میں سورۂ ہودؑ کی ان آیات پر بھی غور کیجئے جن میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب ان فرستادگان سے سُنا کہ وہ قومِ لوطؑ کی تباہی کے لئے مامور ہو کر جا رہے ہیں تو آپ نے چاہا کہ کسی طرح اس قوم پر سے عذاب ٹل جائے اور اُنہیں مزید مُہلت مل جائے تاکہ (شاید) وہ اس دوران اپنی اصلاح کر سکیں یہ سب باتیں "فرستادگان" سے ہو رہی تھیں اور انہوں نے بھی جواب میں کہا تھا کہ

یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ (۱۱/۷۶)

اے ابراہیم! اس بات کا خیال چھوڑ دے۔ تیرے پروردگار کا امر آ پہنچا

لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اس درخواست کے متعلق کہا ہے کہ

یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ (۱۱/۷۴)

اس نے قومِ لوط کے بارے میں ہم سے سوال و جواب شروع کئے۔

اس لئے کہ کسی مامور سے امر کے متعلق کچھ کہنا، دراصل صاحبِ امر سے کہنے کے مرادف ہے۔ مامور

تو پیغامبر ہوتا ہے۔ پیغام کے متعلق جو کچھ کہا جائے گا وہ صاحبِ پیغام (جس کی طرف سے پیغام آیا ہے) اسے ہی متعلق ہو گا۔ اللہ اور اس کے رسولوں کے اس باہمی تعلق کو پیشِ نظر رکھنے سے انسان بہت سی غلط فہمیوں سے بچ سکتا ہے۔

خلاصۂ مبحث

آج سے قریب چار ہزار سال پہلے، جبکہ دنیا کا بیشتر حصہ، جہالت اور وحشت کی تاریکیوں کی چادر میں لپٹا ہوا تھا، سرزمینِ بابل اپنے مخصوص تمدن کی درخشندگی سے ہر دیکھنے والے کی نگاہوں میں چکا چوند پیدا کر رہی تھی۔ تہذیب و تمدن کے عروج کا تو یہ عالم تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہر دیدۂ بینا کے لئے وجۂ صد استعجاب تھی کہ وہی سر جو اپنی ندرت کاریوں سے خاک کے ذرّوں کو آسمان کی بلندیوں تک لیجانا چاہتے تھے خود اجرامِ سماوی اور ان کی مٹی اور پتھر کی مورتیوں کے سامنے سجدہ ریز تھے! یہ تضاد کچھ بابل اور نینوا ہی سے مخصوص نہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں جہاں جہاں تہذیب کی بنیادیں تنہا عقلِ انسانی پر استوار ہوئی ہیں، مادی ترقی اور زندگی کے حقائق سمجھنے میں ایسا ہی بُعد اور تضاد رہا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی قوم اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ مورتیوں (یا اپنے فکر کی کارگاہ میں ڈھلے ہوئے بُتوں) ہی کو اپنا معبود سمجھ لے تو اسے دنیائے انسانیت میں سرفرازی کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟ چنانچہ اہلِ بابل اس شرکِ جلی کے ساتھ ساتھ ملوکیت اور برہمنیت کے شرکِ خفی کی لعنتوں میں بھی گرفتار تھے۔

یہ تھا وہ ماحول جس میں اُور کے ایک بڑے پجاری کے گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا جسے دنیا نے آگے چل کر ایک بہت بڑے توحید پرست اور بُت شکن کی حیثیت سے پہچانا۔ ان کا اسمِ گرامی حضرت ابراہیمؑ تھا۔ آپ نے اپنے اس علمِ حقیقی کی بنا پر جو سرچشمۂ وحی سے عطا ہوا تھا اپنے گھرانے کے افراد، قوم کے اراکین، بُت کدہ کے عمائدین اور خود مستبد بادشاہِ وقت کو اجرامِ فلکی اور بتوں کی پرستش پر سرزنش کی اور انہیں، ان کے برعکس، خدائے واحد کی عبودیت اختیار کرنے کی دعوت دی۔ چونکہ اپنے معبودانِ باطل کی عقیدت ان لوگوں کے خون کے ذرّات تک میں حلول کر چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس روش کو اسلاف کی طرف سے سندِ موروثیت بھی حاصل ہو چکی تھی، اس لئے اپنے بیگانے، ہر ایک نے اس "انوکھی" تعلیم کی مخالفت کی۔

جوں جوں ان کی طرف سے مخالفت بڑھتی جاتی تھی' یہ معلمِ توحید اپنی دعوت کے پیش کرنے کے اسلوب و انداز بدلتا جاتا تھا، تاکہ اگر ایک پہلو سے نہیں تو کسی دوسرے پہلو سے، ہی بات ان کی سمجھ میں آجائے. لیکن بات تو اس کی سمجھ میں آیا کرتی ہے جو بات سمجھنے کی کوشش کرے. جو بات کو اس مفروضہ کے ماتحت سنے کہ یہ ہے ہی غلط' بات کی صداقت اس کی سمجھ میں کس طرح آسکتی ہے؟ لیکن آپ کے دلائل ایسے محکم اور اندازِ موعظت و تذکیر ایسا مسکت تھا کہ ان سے مقابلہ میں کوئی جواب نہ بن پڑتا اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی مستبد قوم لاجواب ہو جائے تو وہ کیا کیا کرتی ہے؟! انہوں نے یہ سب کچھ کیا لیکن یہ اپنے مقام سے ذرا بھی نہیں ہٹے. جب آپ نے یقینی طور پر سمجھ لیا کہ اس قوم میں قبولیتِ حق کی صلاحیت ہی نہیں تو آپ نے اس سرزمین کو چھوڑا، تاکہ کوئی اور ایسا خطہ تلاش کیا جائے جس میں حق و صداقت کی بار آوری کی استعداد موجود ہو. چنانچہ آپ نے اپنے برادر زادہ (حضرت لوطؑ کے ساتھ (جنہیں بعد میں اللہ نے شرفِ نبوت سے نوازا تھا) اس ملک کو چھوڑا اور حالات کے مطالعہ اور معائنہ کے بعد' سرزمینِ فلسطین میں متمکن ہو گئے. یہیں کبرسنی کے عالم میں مبدار فیض نے انہیں حضرت اسمٰعیلؑ جیسا فرزند عطا فرمایا جسے بعد میں اللہ نے تولیتِ کعبہ کی خدمتِ عظیمہ کے لئے مختص کر لیا. حجاز کی بے برگ وگیاہ زمین میں انہی باپ بیٹے نے "اللہ کے گھر" کی دیواریں بلند کیں. آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو وہیں بسا دیا اور خود حضرت اسحاقؑ کے ساتھ فلسطین واپس تشریف لے آئے جہاں آپ کی اولاد "بنی اسرائیل" کے نام سے تاریخ کے صفحات پر ابھرے ہوئے نقوش کی صورت میں دنیا سے متعارف ہوئی.

یوں تو دنیا میں ہر رسول کی بعثت کا مقصد دعوتِ توحید ہوتا ہے لیکن جس نامساعد ماحول میں حضرت ابراہیمؑ نے اس شدّ و مد سے اپنی دعوت کو پیش کیا اس کے پیشِ نظر قرآن نے آپ کی اس خصوصیت کبریٰ کو نمایاں طور پر اُجاگر کیا ہے. کہیں ایجابی انداز سے یہ کہہ کر کہ وہ ملّتِ موحدہ کے مورثِ اعلیٰ تھے اور کہیں' اس اعتبار سے کہ (بقول ہیگل) "اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں"، اس قسم کے سلبی انداز سے کہ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۲/۱۳۵). اس کے ساتھ ہی قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو بھی نمایاں طور پر بیان کیا ہے کہ آپ ہی کا مسلک بنی اسرائیل کا سچا مذہب تھا اور اس کے بعد محمدؐ عربی نے بھی اسی ملّتِ ابراہیمیؑ کا احیاء اور اتباع کیا. اس اعتبار سے دنیا میں توحید کے جس انقلابِ عظیم کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ کے مقدس ہاتھوں رکھی گئی تھی اس کی تکمیل نبی اکرمؐ کی باطل شکن دعوت سے ہوئی. قرآنِ کریم نے حضرت

ابراہیمؑ کی انہی خصوصیات کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے اور ان کی سیرت کے مختلف گوشوں کو اس حسین انداز سے سامنے لایا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ آج بھی ہمارے بزرگِ خاندان کی حیثیت سے ہم میں چلتے پھرتے ہیں۔

اس کے برعکس، تورات کو دیکھئے تو اس میں آپ کی حیثیت ایک قبیلہ کے سردار سے کچھ زیادہ نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ دورِ حاضرہ کی تحقیقات اسی مقامِ ابراہیمیؑ کی تصدیق کر رہی ہیں جسے قرآن نے پیش کیا تھا۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار "ابراہیم" کے عنوان کے ماتحت لکھتا ہے:۔

> ایک خدائے عظیم جو عرش کی بلندیوں پر مستوی ہے جس کی عظمت کو برہمن اور ہیکل کی وساطت کے بغیر ثبت کیا جا سکتا ہے، خدائے مطلق محیطِ کُل، وہ ذات جس تک ہر مومن کی رسائی ممکن ہے۔ یہ ہے ابراہیم کا خدا۔ (اور حقیقت یہ ہے کہ) روایات کی تفاصیل کی بہ نسبت ہمارے نزدیک (حضرت) ابراہیمؑ کا یہ کارنامہ زیادہ اہم ہے۔

یہ ہوئی ایک خصوصیت۔ دوسری خصوصیت۔

> ابراہیم، اسرائیلیوں کی ملت (مذہب) کا موسس تھا۔

اور تیسری خصوصیت۔

> (حضرت) محمدؐ کی طرح، آپ سے دو ہزار سال قبل، سامی اقوام و قبائل میں (حضرت) ابراہیم بھی ایک عظیم الشان تحریک کے قائد تھے۔

یہ تھے حضرت ابراہیم! (علیہ السلام)

خلاصۂ مبحث

(حضرت لوطؑ)

جب حضرت ابراہیمؑ فلسطین میں متمکن ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے حضرت لوطؑ کو سدوم کے علاقہ کے لوگوں کی اصلاح کے لئے منتخب کیا اور آپ اُدھر تشریف لے گئے۔ یہ تو قرآن کا بیان ہے لیکن تورات، حسبِ دستور، اس واقعہ کو بھی "قبائلی مناقشات" کے رنگ میں پیش کرتی ہے۔ چنانچہ کتابِ پیدائش کے تیرھویں باب میں مذکور ہے:۔

> اور ابراہیم کے چرواہوں اور لوط کے چرواہوں میں جھگڑا ہوا .... تب ابراہیم نے لوط سے کہا کہ میرے اور تیرے درمیان اور میرے چرواہوں اور تیرے چرواہوں کے درمیان جھگڑا نہ ہوا کرے کہ ہم بھائی ہیں .... اپنے تئیں مجھ سے جدا کیجئے۔
>
> (پیدائش ۷ — ۱۳/۹)

اسی طرح قرآنِ کریم میں ہے کہ چونکہ حضرت لوطؑ کی بیوی ایمان نہ لائی تھی اس لئے وہ بھی جماعتِ منکرین کے ساتھ ہلاک ہو گئی۔ لیکن تورات کا بیان ہے کہ آپ کی بیوی آپ کے ساتھ ہی اس بستی سے محفوظ نکل آئی تھی۔ لیکن آگے آکر

> اس کی جورو نے اس کے پیچھے پھر کر دیکھا اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی۔ (پیدائش، باب ۱۹ آیت ۲۶)

قومِ لوط کی حیا سوز فحاشی دنیا میں بطور ضرب المثل مشہور ہے۔ تورات کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ وبا وہاں سے آگے بڑھی اور یہودیوں میں بھی پھیل گئی۔ چنانچہ اس کے خلاف حکم نافذ

کرنا پڑا۔ کتاب احبار میں ہے۔

تو مرد کے ساتھ، جس طرح عورت کے ساتھ سوتا ہے مت
سو۔ یہ مکروہ ہے۔ (باب ۱۸، آیت ۲۲)

قرآنِ کریم نے قومِ لوط کی جن بستیوں (سدوم اور عمارہ وغیرہ) کی بربادی کا ذکر کیا ہے وہ بحرِ میت کے اردگرد واقع تھیں۔ دورِ حاضرہ کے اثری اور تاریخی انکشافات سے اس کی تصدیق ہوتی جا رہی ہے۔ تفصیل کے لئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور انسائیکلوپیڈیا اوف ریلیجنز اینڈ ایتھکس میں سدوم (SODOM) اور بحرِ میت (DEAD SEA) کے عنوانات دیکھئے۔